طیبہ تحسین
پی ایچ۔ڈی اسکالر اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔
ڈاکٹر نائلہ انجم
اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔

خواجہ دِل محمدؒ کی رُباعیات میں اخلاقی و سماجی مضامین

Tayyeba Tehseen
Ph.D Scholar Urdu, Lahore College for Women University, Lahore.
Dr.Naila Anjum
Assistant Professor Urdu, Lahore College for Women University, Lahore.

Moral and Social Themes in Khawaja Dill Muhammad's Quatrainsi

Khawaja Dill Muhammad's didactic poetry is replete with themes that mainly deal with moral aspects of life. The role of human beings in creating an ideal society where fair values and ethical perspectives rule the roost, is recurrent theme in Dill Muhammad's poetry especially his quatrains (Rubaiyyat). These quatrains are in perfect harmony with his times yet in continuation with excellent tradition of quatrain writing in Urdu and Persian classical poetry. Dill Muhammad's quatrains are an amalgamation of the ancient and the modern themes used in quatrains in general. The recurrent themes of his quatrains are those universal values which have always been considered as indispensable. These intrinsic values are truthfulness, honesty, compassion, kindness etc. This paper aims at highlighting these aspects of his quatrains with special reference to the collection of his quatrains titled "Sadd Para-e-Dill".

Key Words: *Didactic Poetry, Quatrains, Moral Values, Social Fabric, Classical Poetry, Sadd Para-E-Dill.*

خواجہ دِل محمدؒ (۱۸۸۴ء۔۱۹۶۱ء) یوں تو دوہانگاری کے حوالے سے معروف ہیں مگر اُن کے ہاں دیگر شعری اصناف میں طبع آزمائی بھی نظر آتی ہے۔ ان کے مختلف شعری مجموعے اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ روایت سے

جڑے رہنے کے ساتھ ساتھ عصری مسائل اور شعری منظر نامے سے مکمل آگاہی رکھتے تھے اور اپنے اس شعور کو شاعری کے پیرائے میں برتنے پر قدرت بھی رکھتے تھے۔ دوہے کے بعد جس صنف میں انھوں نے زیادہ لکھا وہ رُباعی ہے۔ رُباعیات میں بھی کم و بیش انھی مضامین کو برتا گیا ہے جن کو انھوں نے دوہے کے باب میں موضوعِ سُخن بنایا ہے لیکن اُن موضوعات سے ہٹ کر بھی وہ عصری مسائل پر خامہ فرسائی کرتے رہے۔ وہ اخلاقیات، فلسفۂ حیات و ممات، تصّوف، حسنِ مجاز، عِشق و مستی اور علم و عمل کو موضوعِ سُخن بناتے ہیں لیکن اپنے عہد کے مسائل پر بھی گہری نگاہ رکھتے ہیں۔

خواجہ دِل محمدؒ کی رُباعیات فارسی اور اُردو کی اس شعری روایت ہی کا تسلسل ہیں جو ہمیں اُستادانِ فن کے ہاں نظر آتی ہے۔ فارسی اور اُردو کی شعری روایت میں رُباعیات کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اختصار اور جامعیت کی بہترین مثالیں ہمیں ان رُباعیات ہی میں ملتی ہیں۔ اس حوالے سے پروفیسر عابد علی عابد رقم طراز ہیں:

> "اصطلاح میں رُباعی وہ صنفِ سُخن ہے جس میں چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون ادا کیا جاتا ہے۔ یعنی چار مصرعے ہی تخلیقی وحدت ہوتے ہیں۔ مسلم ہے کہ رُباعی ہمیشہ بحر ھزج میں لکھی جاتی ہے جو اپنے آھنگ اور موسیقی کے لیے بجا طور پر مشہور ہے۔ یوں رُباعی کے اور بھی بہت سے نام ہیں مثلاً دوبیتی، ترانہ، چہار بیتی، قول۔ "(۱)

پروفیسر عابد علی عابد کی اس تعریف سے ملتی جلتی تعریف جامعُ اللغات جلد دوم میں یوں کی گئی ہے:

> "رُباعی (ع۔ مونث) ایک قسم کی نظم جو بحر ھزج میں چار مصرعوں کی ہوتی ہے۔ اور پہلا دوسرا اور تیسرا مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں (رَبَعَ۔ چار ہونا) رُباعیات (ع۔ مؤنث) جمع رُباعی کی ۔ رُباعی ترانہ (مؤنث) وہ رُباعی جس کے چاروں مصرع ہم قافیہ ہوں۔"(۲)

اربعہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں چار۔ اسی طرح عربی کا لفظ رابعہ ہے جس کے معنی ہیں چوتھی۔ (مونث) رابع کا لفظ مذکر ہے اور معنی ہیں: چوتھا۔ رباعی کا تعلق بھی اس قبیلے سے ہے۔ اصطلاح میں "رُباعی" سے مراد ایسا شعری ڈھانچہ ہے جو چار مصرعوں پر مشتمل ہو مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے، دوسرے

اور چوتھے مصرعے میں قافیہ موجود ہو۔ تیسرے مصرعے میں قافیے کی موجودگی کے حوالے سے عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"قدیم رُباعیوں میں البتہ تیسرے مصرعے میں بھی قافیہ ملتا ہے۔ جس رُباعی کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں اُسے مصرع کہتے ہیں اور دوسری قسم خصی کہلاتی ہے۔ ایک ایک مثال دیکھ لیجیے:

مصرع:　چون نیست مقامِ مادریں دیر مقیم
پس بے مے و معشوق خطائیست عظیم
تاکے ز قدیم و محدث امیدم و بیم
رفتم چُون من از جہان چہ محدث چہ قدیم

خصی:　مے خور کہ فلک بہر ھلاک من و تو
قصدے دارد بہ جانِ پاک من و تو
برسبزہ نشین و مئے روشن می خور
کیں سبزہ دمد بسے زخاک مَن و تو (۳)

رُباعی کی صنف ایران کی قدیم ترین شعری اصناف میں سے ہے۔ فارسی سے یہ اُردو زبان کا حصّہ بنی۔ فارسی اور اُردو کی شعری روایت میں رباعی اپنا ایک جداگانہ مقام رکھتی ہے۔ غزل اور قصیدے کی طرح اس کی اہمیت بھی مسلمہ ہے۔ تمام بڑے شعراء نے اس صنف میں طبع آزمائی ضرور کی۔ اس ضمن میں سر شیخ عبد القادر لکھتے ہیں:

"فارسی میں اکثر اساتذہ نے رُباعیاں لکھی ہیں۔ حافظ شیرازی نے بہت سی رُباعیاں لکھی ہیں مگر ان کی غزل کے حسنِ قبُول نے کسی کو ان کی رُباعیات کی طرف متوجّہ نہ ہونے دیا۔ عمر خیّام کی رُباعیاں اس قدر مقبول ہوئیں کہ اُن کے کلام کے دوسرے حصوں کی طرف کسی کی رغبت نہ ہوئی۔ مولانا رومی نے اپنی مثنوی سے ملکِ سخن میں حکمرانی کی، انھوں نے بہت سی رُباعیاں بھی لکھی ہیں، مگر رُباعیات لکھنے والوں میں ان

کا ذِکر نہیں۔ صاحبانِ جذب میں سرمد کی رُباعیوں کی دھوم ہے۔ اُردو میں لکھنو کے استاد انِ مرثیہ نے اس صنف سخن سے خوب کام لیا۔۔۔ رُباعیاں اس انداز سے پڑھتے تھے کہ مجلس پر چھا جاتے تھے۔ اُردو میں رُباعی کو جو فروغ انیس و دبیر اور ان کے خاندانوں کے دوسرے اراکین کے کلام سے ہوا، اس کے احسان کا بارِ گراں اُردو ادب کے اس شعبے پر ہمیشہ رہے گا۔ ان حضرات کے بعد مولانا حالیؔ اور حضرت اکبر الہ آبادی کی رُباعیات نے شہرت پائی۔۔۔۔۔ جدید شعرا میں علامہ اقبال نے بھی پر معنی رُباعیات لکھی ہیں۔"(۴)

اُردو شاعری نے رُباعی کے باب میں فارسی شاعری کی تقلید کی اور کم و بیش اُنھی مضامین پر لکھا گیا جن پر فارسی میں رُباعیاں کہی گئی تھیں۔

خواجہ دِل محمدؔ کی رُباعیات مجموعے کی صورت میں پہلی بار ۱۹۴۶ء میں منظرِ عام پر آئیں۔ اس مجموعے کو "صد پارۂ دِل" کا نام دیا گیا۔ فارسی اور اردو روایت کے تتبع میں یہ اخلاقی مضامین ہی کو ساتھ لے کر چلتی ہیں مگر ان میں شاعر کا انفرادی رنگ بھی نمایاں ہے۔ ان رُباعیوں کی کل تعداد ۵۰۰ ہے اور شاعر نے ان کو سو، سو رُباعیوں پر مشتمل کل پانچ حصوں میں بانٹا ہے۔ ان تمام حصوں کے الگ الگ عنوانات قائم کیے گئے ہیں اور انھی عنوانات پر مبنی رُباعیاں متعلّقہ حصّوں میں درج ہیں۔ مثال کے طور پر پہلا حصہ "میخانۂ عرفاں" کے عنوان سے ہے اور اس میں زیادہ تر ذات باری تعالیٰ اور تصوف کے مضامین ہیں۔ باقی حصوں میں بھی اسی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس ضمن میں سر شیخ عبد القادر لکھتے ہیں:

"خواجہ دِل محمدؔ صاحب کا تخلص دل ہے اور وہ امیرؔ مینائی کی طرح فخر یہ کہہ سکتے ہیں:

نام کا نام، تخلّص کا تخلّص ہے امیرؔ　　　یہ عَجب حُسنِ خداداد مرے نام میں ہے

نام کے اس وصف سے خواجہ صاحب نے ان رُباعیات میں جا بجا فائدہ اُٹھایا ہے اور اسی رعایت سے کتاب کا نام صد پارۂ دل تجویز کیا ہے۔ شاعر کے اشعار اُس کے دل کے پارے ہی ہوتے ہیں۔ اس کتاب کے پانچ حصے ہیں اور ہر حصے میں ایک سو پارہ ہائے دل

جمع ہیں۔ میخانۂ عرفاں پہلا حصہ ہے۔" نیرنگِ شہود" دوسرا حصہ ہے۔ تیسرے حصے کا نام "اسرار و حقائق" ہے اور وہ واقعی حقائق سے پُر ہے۔ چوتھا" اعمال و اخلاق" سے متعلق ہے اور پانچویں میں متفرق رُباعیاں ہیں جن کے لیے "نیرنگَ جذبات" کا عنوان تجویز ہوا ہے۔ اُن میں رنگارنگ کے جذبات منظوم ہیں۔"(۵)

خواجہ دِل محمدؔ نے حصہ اوّل میں اخلاق و تصوّف کے مضامین بیان کیے ہیں، نیز ذاتِ باری تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے۔ توحید کا مضمون بار بار مختلف پیرایوں میں بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے شاعر نے ایک رُباعی میں مختلف مظاہر کائنات کا ذکر کیا ہے اور ان مظاہر قدرت کے تخلیق کار کی شان میں یہ رُباعی کہی ہے:

تارے ہیں فلک پہ کیا سُہانی تحریر
ہے کہکشاں کی گلستانی تحریر
پاکیزہ و خُوشنما و پُرنور و سرور
محبوب کی پیاری آسمانی تحریر (۶)

مندرجہ بالا رُباعی میں شاعر آسمان، کہکشاں، گلستاں اور تاروں کو یکجا بیان کر رہا ہے اور آسمان پر دَمکتے ستاروں کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ آسمانی تحریر کس قدر مقدّس و مطہر، کتنی دیدہ زیب، کتنی منوّر اور کس قدر لطف سے معمور ہے۔ یہ محبوب کی تحریر ہے جو آسمان پر نقش ہے۔

ایک اور رُباعی میں شاعر نے اپنے خالق سے مخاطب ہو کر یہ درخواست کی ہے کہ وہ اُس کے دِل میں سکونت پذیر ہو جائے تاکہ دِل کو سکینت نصیب ہو۔ وہ کہتے ہیں:

آ آ کہ تجلّیوں کا ساماں ہو جائے
دِل کُلبۂ احزاں ہے شَبستاں ہو جائے
بے سبزہ و گل ہے خاک میری جاناں
اس خاک پہ رکھ قدم بہاراں ہو جائے (۷)

دوسرے مصرعے میں "کلبۂ احزاں" کی ترکیب ہمیں حافظؔ کے مشہور شعر کی یاد دِلاتی ہے:

؎ یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعان غم مخور کلبۂ احزاں شوَد روزی گُلستان غم مخور "(۸)

توحید کا سبق دِل میں جاگزیں ہو جائے تو دل میں سکون و اطمینان پیدا ہوتا ہے، دِل کی تہذیب کا سامان ہوتا ہے، اخلاقی اسباق میں ایک اہم سبق توحید الٰہی کا ہے۔ مثال کے طور پر یہ رُباعی دیکھیے:

تو کُل وہ ہے جس کُل سے ہوا کُل کا ظُہور
تو کُل وہ ہے جس میں کُل کے کُل ہیں مستُور
کُل کُل میں جو شامل ہوں تو کُل کُل ہی رہے
خارج میں ہوں کُل تو کُل میں آئے نہ قصُور (۹)

اس رُباعی میں لفظ کُل کی تکرار نہ صرف ایک موسیقیت کی حامل ہے اور سننے یا پڑھنے میں بھلی لگتی ہے بلکہ ہر جگہ "کُل" کا لفظ ایک الگ معنی دے رہا ہے۔

"طلسم شہود" میں بھی اخلاقی مضامین کی بحث نظر آتی ہے۔ خالق سے مخلوق کا تعلق، تخلیق کے مختلف نمونوں میں ذاتِ باری تعالی کے ہونے کی دلیل، واعظ کی ذات پر تنقید، حیات مختصر میں اپنی ذات کو مظاہرِ فطرت سے ہم آہنگ کرنا، باوجود نامساعد حالات کے، شاد اور پُر امید رہنا—ان رُباعیات میں یہ سبھی مضامین فراواں ہیں: ایک مثال دیکھیے:

سبزے نے کہا چمن میں سونا اچھا
نرگس نے کہا کہ نیند کھونا اچھا
شبنم نے کہا سحر کا رونا اچھا
ہنس کر کہا گُل نے شاد ہونا اچھا (۱۰)

مذکورہ رُباعی کا آخری مصرعہ ہمیں ذوق کے اس شعر کی یاد دِلاتا ہے:

اے شمع تیری عُمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے (۱۱)

مظاہرِ فطرت کی فراوانی انسان کو اس کے گرد و پیش سے ہم آہنگ کرنے میں مدد دیتی ہے اور اخلاق کی تہذیب کرتی ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ جو لوگ فطرت کے مظاہر سے اپنا تعلق استوار رکھتے ہیں وہ ذہنی اور جسمانی ہر دو طرح، چاق چوبند رہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل رُباعی میں شاعر مظاہرِ فطرت مثلاً سر سبز درختوں کو زمین کے قلب سے نکلنے والے ارمان کہہ رہا ہے:

ننھے سر سبز پیڑ کیا پیارے ہیں
فطرت کے زمرّدیں فوّارے ہیں
نکلے ہیں زمیں کے دل سے گویا ارماں
یہ مادر گیتی کے جگر پارے ہیں (۱۲)

"اسرار و حقائق" کے عنوان سے قائم کردہ جُزو میں زندگی کے راز اور حقیقتوں کا بیان ہے، یہ وہی راز اور حقیقتیں ہیں جن میں زندگی عمدہ ڈھب پر گزارنے کے طور طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ اخلاق و کردار کی تشکیل میں مد و معاون اصول ہیں جو انسان کو خلیفۃُاللہِ عَلَی الاَرض بننے میں رہ نمائی کرتے ہیں؛ ذیل کی رُباعی میں ایسا ہی اخلاقی مضمون بیان ہوا ہے جس میں انسان کو رِزق کا خوف نہ کھانے کی ترغیب دی گئی ہے:

مخلوق جو زندگی کا غم کھاتی ہے　　روزی کے لیے رنج والم کھاتی ہے
فکر خور و نوش سے بری ہے عارف　　شادی میں عروس سب سے کم کھاتی ہے (۱۳)

اس رُباعی میں معرفت کی راہ پر چلنے والے شخص کا طریقِ زندگی بتایا گیا ہے کہ جو شخص معرفت کے راستے پر چل پڑتا ہے، پھر وہ دُنیوی خوف اور علائق سے بے پرواہو جاتا ہے۔ چوتھے مصرعے میں لطیف سانکتہ، عام زندگی کا مشاہدہ ہے کہ شادی بیاہ کی تقریب میں دلہن وہ ہستی ہوتی ہے جو مرکزِ نگاہ تو ہوتی ہے مگر وہ اس محفل سے سب سے کم لطف کشید کرتی ہے اور اس کی سوچوں کا محور و مرکز وہ شخص اور وہ سفر ہوتا ہے جو اس کو در پیش ہو گا۔ بعینہ دنیا کے اس سفر میں بھی کامیاب وہی رہے گا جو دلہن کی طرح محفل کا جُزو تو ہو مگر اُس کی نگاہ اس محفل سے ماورا سفر کی جانب ہو۔ دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے جدا رہنا صوفیا ہی کا خاصا ہے مگر رُباعی میں یہ سبق تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس سے ملتا جلتا سبق ایک اور رُباعی میں یُوں بیان کیا گیا ہے:

اے دِل نہ ہو بے قرار زر کی خاطر
تنکے چُن چُن کر نہ مرنا گھر کی خاطر
قربانگہِ عرفان پہ مٹا دے ارماں
انجم کو لٹا نورِ سَحر کی خاطر (۱۴)

خواجہ دِل محمدؒ اپنی رُباعیات میں عوام الناس کو عقل کا غلام بننے سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اُن کی درج ذیل رُباعی میں اقبال ہی کے پیغام کو ایک اور انداز میں بیان کیا گیا ہے:

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے (۱۵)

اقبال ہی کی مانند وہ "عقل" یا "منطق" کو چراغِ راہ سمجھتے ہیں 'منزل نہیں:

منزل کا اُسے پتہ ہی نہیں ابتک
ہے چَرخ وہی ، وہی زمیں ہے ابتک
منطِق کی چلائی اس نے چکی دِن رات
تو عقل کا بیل ، خود وہیں ہے اب تک (۱۶)

انسانوں کو غم و محن اور یاسیت سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہوئے خواجہ دِل محمدؒ کہتے ہیں کہ ہر انسان کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے کسی بھی انسان یا دیگر مخلوق کو بے مقصد نہیں تخلیق کیا گیا، احسن الخالقین نے انسان کو اور دیگر مخلوقات کو احسن تقویم پر پیدا کیا، اس لیے اپنے آپ کو مجبورِ محض ہر گز نہیں سمجھنا چاہیے، ذیل کی رباعی میں یہی پیغام دیا گیا ہے:

محصور ہوں میں یہاں نہ معذور ہوں میں
قدرت کے کسی مشن پہ مامور ہوں میں
پُرزوں ہی سے چل رہی ہے دنیا کی مشین
پرزہ یہ سمجھ رہا ہے مجبُور ہوں میں (۱۷)

مذکورہ رُباعی میں خالق و مخلوق کے رشتے کے اٹوٹ ہونے پر کامل توکل کا اظہار ہے۔ یہ انسان کے لیے نصیحت ہے کہ اپنے آپ کو کم مایہ یا فالتو پرزہ سمجھ کر اپنے آپ پر ترس کھانا چھوڑ دے۔ خواجہ دِل محمدؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اللہ کی رحمت کے چشمے سے انسان مقدور بھر پیاس بجھائے۔ اس کی ہمہ گیریت کا یہ عالم ہے کہ انسان خواہ دائیں جانب سے آئے یا بائیں جانب سے اللہ کا وجود ہر جا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ درج ذیل رُباعی میں قرآنی تعلیم کو بیان کیا گیا ہے، جو انسان کے اخلاق کو سنوارنے کی بہترین تعلیم ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

ترجمہ: "اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ مشرق اور مغرب میں ہے۔ پس تم جس طرف بھی رخ کرو گے اللہ ہی کا چہرہ پاؤ گے۔"[۱۸]

اسی خیال کو خواجہ دِل محمدؒ ذیل کی رُباعی میں یوں بیان کرتے ہیں:

یہ چشمۂ عرفاں ہے یہاں پیاس بُجھاؤ
عکسِ مہ و مہرین کے پانی میں سماؤ
پانی بھی وہی ہے اُس کی تاثیر وہی
اس گھاٹ سے آؤ یا تم اُس گھاٹ سے آؤ [۱۹]

اللہ تعالیٰ کا ذِکر اور اس کا شکر یہ بہت نیکی کے کام ہیں مگر ناپ تول کر نیکی کرنا اور تسبیح پر گِن گِن کر اللہ کا ذکر کرنا تو ایک طرح کا بَنیاپَن ہے۔ جو ہستی نعمتیں دینے میں فراخی سے اس درجہ کام لیتی ہے کہ اس کا ارشاد ہے:

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

ترجمہ: "اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو تم ایسا نہ کر سکو گے۔"[۲۰]

شاعر نے ایک رُباعی میں اس خیال کو یوں ادا کیا ہے:

تسبیح پھرا کے کام لینے والے　　سجدوں کا خُدا سے دام لینے والے
یہ سبحہ شماری نہیں بَنیاپَن ہے　　گن گن کے خُدا کا نام لینے والے [۲۱]

رباعیات کے اس مجموعے کے حصہ چہارم کا عنوان "اعمال و اخلاق" ہے۔ اگرچہ صرف یہ حصہ اخلاق آموز پند و نصائح پر مبنی رُباعیات پر مشتمل نہیں، دیگر تمام اجزاء میں بھی اخلاق ہی کا درس دیا گیا ہے مگر یہ حصہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس کا غالب حصہ اخلاق سازی سے مخصوص ہے۔ مثال کے طور پر اس حصے کا آغاز ہی اس سبق سے ہوتا ہے کہ جو بھی کام سرانجام دو مکمل دلجمعی کے ساتھ دو کیوں کہ بے دِلی سے کیا گیا کام پھل نہیں لاتا۔ خواجہ دِل محمدؐ فرماتے ہیں:

ہو نیم دلی تو کامرانی نہ ملے
کھودیں آدھا کنواں تو پانی نہ ملے
کاوِش جو نہ حدِّ جانکنی تک پہنچے
جانباز کو وَصلِ یار جانی نہ ملے (۲۲)

حصہ "اعمال و اخلاق" ایک سو رباعیات پر مشتمل ہے اور بیشتر رُباعیوں میں اخلاقی و سماجی پہلوؤں سے متعلق مشاہدات و تعلیمات ہیں۔ شاعر کا عوام الناس کے لیے جذبۂ اصلاح بے پایاں ہے۔ وہ اپنے قوی مشاہدے کو بروئے کار لاتے ہوئے قارئین کو یہ درس دیتا ہے:

ہنستا ہے تو، تو ہنسائے گی تجھے
روئے گا اگر تو یہ رلائے گی تجھے
آئینہ رُونما ہے یہ دنیا اے دِل
جیسی تیری صورت ہو دکھائے گی تجھے (۲۳)

یعنی یہ دنیا تو گنبد کی آواز کی مانند ہے جو پکاروگے وہی پلٹ کر بازگشت کی صورت تم تک واپس آئے گا۔ اگر تم ہنسوگے تو دنیا تمھارے ساتھ ہنسے گی اور اگر روتے رہنا اور مایوس ہو جانا پسند کروگے تو دنیا بھی وہی چہرہ تمھارے سامنے لائے گی، گویا جیسی آپ کی سوچ اور نیت ہے، اسباب بھی ویسے ہی مہیا ہوں گے۔ اگر سوچ اور رویہ مثبت ہو گا تو اسباب بھی مثبت اور سازگار ہوتے چلے جائیں گے تا آنکہ آپ اپنی منزل کو پالیں۔ خواجہ دِل محمدؐ کے ہاں مثبت سوچ ،راست فکری و راست بازی، رجائیت پسندی اور تحرک پر مبنی رویے کی تلقین بار بار ملتی ہے۔ وہ اپنے قارئین کو درس

دیتے ہیں کہ ماضی کو یاد کرتے رہنا گھاٹے کا سودا ہے۔ حال میں جینا ہی نفع مند طریقہ ہے۔ وہ ایک رُباعی میں فرماتے ہیں:

ماضی کے لیے ملول ہونا بے سُود
یوں حال کا مال مفت کھونا بے سُود
ماضی کے شِکم میں ہو گیا عالم غَرق
اس ہاضمِ صد جہاں پہ رونا بے سُود (۲۴)

زندگی تحرک میں ہے، جمود میں نہیں۔ حال میں جینا اور ماضی کی یادوں کو خواہ وہ تلخ ہوں یا شیریں، بھول جانا ہی بہتر ہے۔ خواجہ دِل محمدؒ کا نقطۂ نظریہ بھی ہے کہ انسان کو اپنے کردار میں مثبت پہلو ساتھ لے کر چلنا چاہیے اور زندگی جو بھی ذمہ داری یا کردار اُس پر عائد کرتی ہے اُسے بہر حال اچھی طرح نبھانا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں:

دنیا ہے سٹیج ، ہم اداکار تمام
آئے ہیں سرِ پردۂ اسرار تمام
کِردار میں ہو اگر نہ خوبی اے دل
پھر کھیل ہے زندگی کا بے کار تمام (۲۵)

شیکسپیئر کے مشہور ڈرامے "As You Like It" کی کبھی نہ بھولنے والی چہار دہی (Sonnet) کا ابتدائیہ:

"All the world's a stage and all the men and women merely players"

ہمیں خواجہ دِل محمدؒ کی مذکُورہ بالا رُباعی میں لو دیتا نظر آتا ہے! اور درج ذیل رُباعی میں اکبر الہٰ آبادی کی مشہور رُباعی "غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا" کی یاد دلاتا ہے:

پانی میں اگر نہ ہو روانی ، بے کار
غفلت میں اگر کٹے جَوانی ، بے کار
قانُونِ جہاں ہے اِرتقا و حرکت
بے شوقِ عمل ہے زندگانی ، بے کار (۲۶)

خواجہ دِل محمدؒ کا نقطہ نظر، یہ ہے کہ انسان کو اپنے زندگی گزارنے کے سبھاؤ میں اِستقامت اور ثابت قدی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اسلام میں ثابت قدمی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک ثابت قدمی اولوالعزم لوگوں ہی کا شیوہ ہے۔ صُوفیا کے ہاں بھی ثابت قدمی کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ اسی لیے عربی کا مقولہ ہے:

"الا استقامۃ فوق الکرامۃ"

ترجمہ:" دین میں استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے"۔(۲۷)

اسی اخلاقی نکتے کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

مت شور مچاؤ کوسِ خالی کی طرح
چکراؤ نہ فانُوسِ خیالی کی طرح
پھر جائے جہاں مگر جہاں سے نہ پھرو
یک وَضع رہو قُطبِ شمالی کی طرح (۲۸)

شاعر نے مندرجہ بالا رباعی میں یک سوئی اور استقامت کا درس دیا ہے جو ادب کے قاری کو یہ یاد دلاتا ہے کہ: یک دَر گیر و محکم گیر! اسی طرح وہ ایک اور رُباعی میں فیاضی کی صفت کو سراہتے ہیں اور بخیل و بے فیض افراد کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

انسانِ بخیل کا چمن خُشک رہے
دریا میں صدف کا پیرہن خشک رہے
بے فیض کا دِل مثالِ ریگستاں ہے
بارش پی جائے اور دہن خشک رہے (۲۹)

اس طرح اخلاقی و سماجی خُوبیوں کا بیان کرتے ہوئے خواجہ دِل محمدؒ اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اولاد ایک نعمت ہے مگر بہر حال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ امانت داری کا ثُبوت دیتے ہوئے اس امانت کو تحفّظ فراہم کرنا

چاہے، اس کی دیکھ بھال کرنی چاہیے مگر جب امانت رکھوانے والا واپس مانگ لے تو بِلا چون و چرا، امانت لوٹا دینی چاہیے۔ شاعر کا کہنا ہے:

اچھی ہے وہ ماں جو خود کو دائی سمجھے
بچوں کی پلائی اور کھلائی سمجھے
مالک جب مانگ لے تو واپس کر دے
ان پیاروں کو وہ چیز پرائی سمجھے (۳۰)

انسان کا وقار اس میں ہے کہ وہ خود بینی کے مرض میں گرفتار نہ ہو۔ ایسا شخص انانیت اور انا پرستی کا شکار ہوتا ہے اور اس شخص کے متعلق یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ وہ بہت خوش و خرم ہے۔ ہر گز نہیں۔ وہ اپنی انا کا اسیر ہے، اور جو انا کے اسیر ہو جائیں وہ کبھی نفسِ مطمئنہ نہیں پاسکتے۔ اس کے برعکس جو شخص اپنی خُودی کو خدا کی رضا سے مُنسلک کر دے، وہ کامیاب ٹھہرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى

"وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا۔"(۳۱)

تزکیہ نفس کا نتیجہ رضی اللہ عنھم و رضُوا عنه کی شکل میں نکلتا ہے۔ یعنی یہ ایمان کا اعلیٰ ترین درجہ ہے جہاں اللہ مؤمنین سے راضی ہو جائے اور وہ اُس سے راضی ہو جائیں۔ اس خیال کو خواجہ دِل محمدؒ یوں بیان کرتے ہیں:

خُود بیں کو نہ جانیے کہ دِل شاد ہے وہ
پابندِ ہوا خانہ بَرباد ہے وہ
جو اپنی خودی خدا میں مدغم کر دے
آزاد ہے ، آزاد ہے ، آزاد ہے وہ (۳۲)

اسی خیال کو ایک اور رُباعی میں یوں بیان کرتے ہیں:

یا اپنی خُودی کو بے نشاں کر اے دل
یا اپنی خودی کو بے کراں کر اے دل

یا اپنی خودی کو خدا میں مدغم کر دے
یا خود کو محیطِ دو جہاں کر اے دل (۳۳)

خواجہ دِل محمدؔ کے ہاں اخلاق کو ایک اعلیٰ درجہ حاصل ہے چُناں چہ ان کی رُباعیات میں اچھے اخلاق کی بابت خاصا زور دیا گیا ہے۔ پِسر کو قابلِ میراثِ پِدر ہونا چاہیے، اقبالؔ کی اس فکر کو وہ یوں رُباعی کی شکل میں ڈھالتے ہیں:

نیکی یہ بھی تو نے دِل دیا ہے کہ نہیں
یہ مال بھی قبضے میں کیا ہے یا نہیں
والد کے زر و مال کے وارث تو نے
اخلاق کا وِرثہ بھی لیا ہے کہ نہیں (۳۴)

خواجہ دِل محمدؔ اس بات کا بہت کشادہ دلی سے اعتراف کرتے ہیں کہ ہندوستانی مائیں اپنے بچوں کی خاطر اپنی راحت اور سکون کو تج دیتی اور اپنی اولاد کی زندگی کے لیے اپنی زندگی بھی قربان کر دینے میں ہچکچاتی نہیں ہیں۔ وہ ہندوستانی ماؤں کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

تخلیق کا اِنصرام کرنے والی
گُل رو بچوں سے گود بھرنے والی
قُربان تری ماتا کے اے مادرِ ہند
اولاد کی زندگی پہ مرنے والی (۳۵)

خواجہ دِل محمدؔ کے ہاں تہذیب مغرب سے بے جا مرغوبیت کے رُجحان کی حوصلہ شکنی کئی رُباعیات میں ملتی ہے۔ وہ اکبر الہٰ آبادی اور اقبالؔ کی مانند تہذیبِ مغرب کی شاخِ نازک پر آشیانہ بنانے کے مضمرات سے بخوبی آگاہ تھے چناں چہ جابجا اس تہذیب کے منفی پہلوؤں پر انگشت نمائی کرتے ہیں۔ اس باب میں ان کا لہجہ بہت کڑا اور کسی قسم کے احساس کمتری سے بالکل معرا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

۱) تہذیبِ نو کی عیش و مستی توبہ　　دیوانۂ زَر کی زَر پرستی توبہ (۳۶)
انساں کو بنا دِیا مہذّب حیواں　　اس عوج وعروج پر یہ پستی توبہ

۲) فاقوں کو رِجھا رہی ہے تہذیب نئی　　خرمن کو جلا رہی ہے تہذیب نئی (۳۷)
بھُوکوں کے بلکتے ہوئے بچوں کا اناج　　پانی میں بہا رہی ہے تہذیب نئی

۳) غنچوں کی زباں سے بولتی ہے فطرت　　یا آبِ رواں سے بولتی ہے فطرت (۳۸)
جب سامنے آئے غیر فطری تہذیب　　توپوں کے دَہاں سے بولتی ہے فِطرت

۴) ٹیبل پہ ٹِفن ہے ، جام و مینا گھر میں　　لیڈی ہے کلب میں ، ناچ گھنٹا گھر میں (۳۹)
مسلیں دِفتر میں ، بنک گھر میں پُونجی　　موٹر گیرج میں ،گاڈ گرجا گھر میں

سماجی رویے خواجہ دِل محمدؔ کے ہاں رُباعی کی شکل میں زیرِ بحث آئے ہیں۔ وہ معاشرے میں عدم مساوات کو نشانۂ تنقید بناتے ہیں اور مزدور طبقے سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مِل میں تری کیوں شور وفغاں ہے صاحب　　کارندہ ہر ایک بے زباں ہے صاحب
یہ دُود جو دودکش سے ہوتا ہے بلند　　مزدور کی آہوں کا دھواں ہے صاحب (۴۰)

خواجہ دِل محمدؔ کہتے ہیں کہ مل مزدُور ناانصافی پر خاموش ہیں مگر کارخانے کی چمنی سے جو دھواں بلند ہوتا ہے وہ دراصل انھی مزدوروں کی آہ بھرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ ایک اور رُباعی میں مزدور اور محنت کش طبقے سے یوں اظہار ہمدردی کرتے ہیں:

ہے آج بلند شان شاہانِ صلیب　　خود تاج و نگیں ہے زیرِ فرمانِ صلیب
مزدور کی ہڈیوں کے چونے سے بنا　　پھر کیوں نہ ہو استوار ایوان صلیب ! (۴۱)

"صد پارۂ دل" میں شاعر نے واقعتاً اپنے دل کے ٹکڑے جمع کر دیے ہیں۔ اُن کا مشاہدہ اور حساسیّت ان رُباعیات میں عروج پر نظر آتی ہے۔ ان رُباعیوں میں عبرت کے سبق بھی ہیں اور فنا کا فلسفہ بھی، نظم وضبط کی تلقین بھی ہے اور ضبطِ نفس کی تاکید بھی۔ ان رُباعیات میں معاشرے کے پست طبقوں کے لیے ہمدردی کے کلمات بھی ہیں اور مغربی تہذیب کی دسیسہ کاریوں پر نشتر زنی بھی، خالق و مخلوق کے ابدی تعلق کی رمزیں بھی ہیں اور توحید کے نغمے

بھی۔ انسانیت کو آج جن اخلاقی مسائل کا سامنا ہے کو ان کے لیے یہ رُباعیات بلا شبہ ایک اکسیر کا سا اثر رکھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خواجہ دِل محمدؒ کی یہ پانچ سو رُباعیات فن کے اعتبار سے تو مستحکم ہیں ہی، اخلاقی اسباق کے باب میں بھی ان کی قدر و منزلت کسی طور کم نہیں ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عابد علی عابد، پروفیسر۔ اصول انتقادِ ادبیات۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء۔ ص ۴۲۵

۲۔ خواجہ عبد المجید، جامعُ اللّغات۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۱۰ء۔ ص ۱۱۱۴

۳۔ عابد علی عابد، پروفیسر۔ اصول انتقادِ ادبیات۔ ص ۴۲۷

۴۔ عبد القادر، سَر۔ شیخ۔ "سرِ آغاز"۔ مشمولہ صد پارۂ دِل۔ لاہور: خواجہ بکڈپو، ۱۹۴۶ء۔ ص ا

۵۔ عبد القادر، سَر۔ شیخ۔ "سرِ آغاز"۔ مشمولہ صد پارۂ دِل۔ ص ب ج

۶۔ خواجہ دِل محمدؒ، صد پارۂ دِل۔ ص ۳۰

۷۔ ایضاً

۸۔ حافظ شیرازی، دیوانِ حافظ۔ بہ اهتمام محمد قزوینی و دکتر قاسم غنی، تہران: چاپ سینا۔ ص ۱۸۲

۹۔ خواجہ دِل محمدؒ، صد پارۂ دل۔ ص ۳۷

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ محمد ابراہیم ذوق، شیخ۔ دیوانِ ذوق۔ مرتبہ، محمد حسین آزاد۔ لکھنو: منشی نولکشور، ۱۸۷۹ء۔ ذوق، ص ۲۰

۱۲۔ خواجہ دِل محمدؒ، صد پارۂ دل۔ ص ۶۸

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ محمد اقبال، بانگِ درا۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء۔ ص ۱۳۳

۱۶۔ خواجہ دِل محمدؒ، صد پارۂ دل۔ ص ۱۲۴

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ابوالاعلیٰ مودودی، سید۔ ترجمہ قرآن مجید مختصر حواشی، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۱۵، جزو: اوّل۔ لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۲۳ء۔ ص ۴۷۰

۱۹۔ خواجہ دِل محمدؒ، صد پارہ دل۔ ص ۱۴۷

۲۰۔ ابوالاعلیٰ مودودی، سید۔ ترجمہ قرآن مجید مختصر حواشی، سورۃ النّحل۔ آیت ۱۸، جزو: ۱۴۔ ص ۶۶۱

۲۱۔ خواجہ دِل محمدؒ، صد پارہ دل۔ ص ۱۴۸

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، حقیقتِ تصوّف، لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء۔ ص ۲۶۸

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ ابوالاعلیٰ مودودی، سید، ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی، سورۃ الاعلیٰ، آیت ۱۴، جزو، ۱۵۰۔ ص ۳۰

۳۲۔ خواجہ دِل محمدؒ، صد پارۂ دل۔ ص ۱۸۵

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ ایضاً، ص ۲۳۱

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۳۲

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ ایضاً